دین کی سماجی تفسیر اور علامہ طباطبائی: ایک تحلیلی جائزہ

The Social Interpretation of Religion and Allama Tabataba'i: An Analytical Review

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Karamat Ali
B.S. Islamic Philosophy & Mysticism;
Al-Mustafa International University Qom, Iran.
E-mail:karamatali210@gmail.com

Abstract:

Some sociologists, as well as some intellectuals who study religion from a social perspective, believe that religion is a social behavior whose source is social factors. These people consider religion to be merely a social phenomenon. The present article consists of an explanation and commentary of the views of Allama Syed Muhammad Hussain Tabatabai (may Allah have mercy on him) in refuting the above-mentioned social interpretation of Islam. This article presents a comparative review of the views of Western sociologists and sociologists such as Marx, Durkheim and Weber and Allama Tabatabai.

This article makes it clear that those thinkers who consider religion to be merely a social phenomenon and human behavior are, in fact, incapable of understanding the true reality of religion. They have considered religion to be merely the result of human social needs or historical factors. However, according to Allama Tabatabai, the source of religion is a metaphysical reality and being, namely God Almighty. He considers religion to be a transcendental, divine and natural reality that is in harmony with human reason, nature and revelation. According to him, religion is a

complete and comprehensive system of life, which not only reforms man individually but also builds his collective life on the basis of order, justice, empathy and unity.
In the present paper, in order to prove the universality and immortality of religion, it has been made clear that the religion of Islam is not a guidance for any particular nation but for all humanity. Finally, it was concluded that a true understanding of religion is possible only when it is accepted as a divine, natural and social reality, as Allama Tabatabai has presented in his commentary and philosophical works.

Keywords: Islam, Social Interpretation, Allama Tabataba'i, Revelation, Fitrah, Metaphysical Reality, Sociology, Social Order.

خلاصہ

سماجیات کے بعض ماہرین، نیز دین کا سماجی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے والے بعض دانشوروں کا عقیدہ یہ ہے کہ دین ایک سماجی رویہ ہے جس کا سرچشمہ سماجی عوامل ہیں۔ یہ لوگ دین کو محض ایک سماجی مظہر قرار دیتے ہیں۔ پیش نظر مقالہ دین، بالخصوص اسلام کی مذکورہ بالا سماجی تفسیر کے ردّ میں علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ کے نظریات کی توضیح و تفسیر پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ مغربی ماہرین عمرانیات اور مارکس، دورکیم اور ویبر جیسے سوشیالجسٹس اور علامہ طباطبائی کی آراء کا تقابلی جائزہ پیش کرتا ہے۔
اس مقالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ مفکرین جو دین کو محض ایک سماجی مظہر اور انسانی رویہ قرار دیتے ہیں، دراصل، دین کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے دین کو صرف انسانی معاشرتی ضرورتوں یا تاریخی عوامل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ علامہ طباطبائی کے نزدیک، دین کا سرچشمہ ایک مابعد الطبیعیاتی حقیقت اور ہستی، یعنی خداوند تعالی ہے۔ آپ دین کو ایک ماورائی، الٰہی اور فطری حقیقت سمجھتے ہیں جو انسانی عقل، فطرت اور وحی سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے نزدیک دین ایک مکمل اور ہمہ جہت نظامِ حیات ہے، جو نہ صرف انسان کی انفرادی اصلاح کرتا ہے بلکہ اس کی اجتماعی زندگی کو نظم، عدل، ہمدلی اور اتحاد کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔
پیش نظر مقالہ میں دین کی عالمگیریت اور جاودانگی کو ثابت کرنے کے ضمن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ دین اسلام صرف کسی مخصوص قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ دین کی سچی تفہیم اسی وقت ممکن ہے جب اسے الٰہی، فطری اور سماجی حقیقت کے طور پر قبول کیا جائے، جیسا کہ علامہ طباطبائی

نے اپنی تفسیر اور فلسفیانہ آثار میں پیش کیا ہے۔

کلیدی الفاظ: اسلام، دین، سماجی تفسیر، علامہ طباطبائی، وحی، فطرت، ماورائی حقیقت، سوشیالوجی، معاشرتی نظم۔

موضوع کا تعارف

سماجیات ایک جدید علم ہے جو انسانی معاشرے کے مختلف پہلوؤں، مثلاً دین، ثقافت اور رویّوں کا سائنسی مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم میں زیادہ تر زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ دین جیسے مظاہر کو تجرباتی طریقے سے سمجھا جائے۔ بعض اوقات یہی تجرباتی طریقہ محققین کو کسی دین کی تاریخ اور پس منظر کا بھی مطالعہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ حالیہ برسوں میں بہت سے سماجی ماہرین نے کسی ایک مخصوص دین پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے، جس سے دینی سماجیات کے موضوع کو مزید تقویت ملی ہے۔

اگرچہ مختلف مذاہب تاریخ میں وجود میں آئے ہیں، لیکن اسلام ایک ایسا بڑا اور عالمی مذہب ہے جو انسانی زندگی کے کئی اہم پہلوؤں کو اپنے دائرے میں لاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بہت سے ایسے احکام موجود ہیں جو معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تعلیمات کو سمجھنا اور ان سے رہنمائی لینا مسلمان اہلِ علم کی اہم ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام مغربی ماہرین سماجیات کی نظر میں ایک قابلِ تحقیق موضوع بن چکا ہے۔ "ماکس ویبر" کی اسلام میں دلچسپی کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم، بعض مغربی محققین کو اسلامی متون سے پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی آراء پر تنقید بھی کی جاتی ہے۔

دوسری طرف، کچھ اسلامی مفکرین نے خود بھی دین کے سماجی پہلوؤں پر بھرپور توجہ دی ہے، جن میں شہید مطہری اور ڈاکٹر علی شریعتی کے نام نمایاں ہیں۔ البتہ ان دونوں کی تحقیق کے انداز مختلف ہیں؛ مثلاً ڈاکٹر شریعتی نے اپنے مطالعے میں سماجی علوم کے طریقوں کو اپنایا ہے، جبکہ شہید مطہری نے اپنی تحقیق کی بنیاد دینی عقائد پر رکھی ہے۔ معاصر اسلامی مفکرین میں علامہ طباطبائیؒ کو خاص مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اسلام کی مختلف جہتوں، خاص طور پر اس کے سماجی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔

ان کی مشہور تفسیر المیزان ایک جامع کتاب ہے جس میں عقائد، اخلاقیات، سیاست اور سماج جیسے موضوعات پر بات کی گئی ہے۔ علامہ طباطبائیؒ نے اسلام کے سماجی پہلوؤں کو جس انداز سے بیان کیا ہے، اس کی وجہ سے المیزان کو اسلامی سماجی فکر کا ایک قیمتی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی یہ خصوصیات نہ صرف اسلامی مفکرین کے نظریات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں بلکہ یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ دینی متون میں سماجی تعلیمات موجود ہیں، جنہیں درست طریقے سے سمجھ کر دینی علم کی ترقی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مضمون علامہ

طباطبائیؒ کے سماجی نظریات، خاص طور پر دین کے سماجی پہلو پر، ایک نئی نظر ڈالنے کی کوشش ہے۔

سابقہ تحقیقات

دین کی سماجیات (Sociology of Religion) کی ابتدا کا سراغ انیسویں صدی میں علمِ سماجیات کے قیام سے لگایا جاسکتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک ماکس ویبر (Max Weber)، (1920–1846 وہ پہلے مفکر تھے جنہوں نے دین کے مطالعے کو ایک منظّم سائنسی زاویہ عطا کیا۔[1] چونکہ دین انسانی زندگی پر گہرا اثر رکھتا ہے، اس لیے یہ موضوع ابتدا ہی سے کلاسیکی سماجیات کے مفکرین کی توجہ کا مرکز رہا۔

سماجی علوم کے ماہرین کے نزدیک، دین انسانی معاشرے کے پانچ بنیادی اداروں میں سے ایک ہے، جو فرد اور معاشرت دونوں کی تشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔[2] انیسویں صدی کے فکری پس منظر میں عقل گرائی اور اثبات گرائی (Positivism) کے رجحانات نے دین کے مطالعے کو بطورِ سماجی مظہر (social phenomenon) نمایاں طور پر متاثر کیا۔ اس دور میں دینی عقائد کو وہم یا غیر عقلی تصورات سمجھا جاتا تھا اور مذہبی فکر کو انسانی عقل اور تجرباتی تبیینات کے مقابل کمزور اور زوال پذیر قرار دیا گیا۔ چنانچہ اہلِ دانش نے دین کو دیگر مظاہرِ انسانی کی طرح تجرباتی تجزیے کے قابل سمجھا اور اسے انسانی ارتقا کی تفہیم کے لیے ایک ناگزیر موضوع مانا۔[3]

اگرچہ جدید مغربی سماجیات میں یہ رجحان زیادہ نمایاں ہوا، تاہم اسلامی تہذیب میں اس نوع کے مطالعات کی جڑیں صدیوں پہلے موجود تھیں۔ مثلاً ابوریحان بیرونی نے اپنی معروف تصنیف تحقیق ماللہند میں مذاہب و عقائد کا تجزیاتی مطالعہ کیا اور ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ العبر میں دینی و سیاسی اداروں، مذہبی شعائر اور عوامی اعتقادات کا گہرا سماجی و تاریخی تجزیہ پیش کیا۔ یہ آثار اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ اسلامی دانشور، یورپی مفکرین سے قرنوں پہلے دین کو ایک سماجی مظہر کے طور پر سمجھنے کی کوشش کر چکے تھے۔[4]

مجموعی طور پر دین کی سماجیات ایک باقاعدہ علمی نظم کی صورت میں انیسویں صدی کے آغاز میں ابھری، جس پر طویل عرصے تک یہ نظریہ غالب رہا کہ دین اور جدیدیت ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ تاہم 1960 کے بعد یہ تصور رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا اور سماجیات میں دین کے فعال و مثبت کردار پر نئے تحقیقی رجحانات سامنے آئے جنہوں نے اس علم کے دائرۂ بحث کو مزید وسعت دی۔[5]

دین کیا ہے؟

اس تحقیق کے بنیادی سوال کا تعلق دین کی حقیقت اور اس کے سماجی پہلوؤں کے مطالعے سے ہے، اور اس ضمن

میں ہم علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ کی گراں قدر تحریروں، بالخصوص ان کی تفسیر المیزان کو بنیاد بنا کر دین کی ماہیت اور اس کے معاشرتی اثرات کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ تحقیق کا بنیادی سوال یوں ہے:

"علامہ طباطبائیؒ کی تحریروں، خاص طور پر تفسیر المیزان کی روشنی میں، دین سے متعلق سماجی پہلوؤں کے بارے میں کیا تصور ہے؟"

اس سوال کا جواب دینے کے لیے سب سے بنیادی اور اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم یہ واضح کریں کہ خود دین کی حقیقت کیا ہے، کیونکہ جب تک دین کی اصل حقیقت اور اس کے بنیادی عناصر کو نہ سمجھا جائے، اس وقت تک اس کے سماجی یا عملی اثرات کو جانچنا ادھورا رہے گا۔

یہاں یہ نکتہ شروع میں واضح کرنا ضروری ہے کہ "دین" کا مفہوم مختلف علوم میں مختلف انداز سے بیان کیا جاتا ہے۔ سماجیات میں جب دین کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس کا ہدف عام طور پر یہ جاننا ہوتا ہے کہ کسی مخصوص معاشرے میں دین کس طرح لوگوں کے رویّوں، اقدار، اداروں، اور اجتماعی ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس زاویے سے دین کی تعبیر کسی الہامی حقیقت کے بجائے ایک سماجی مظہر (Social Phenomenon) کے طور پر کی جاتی ہے، جیسا کہ شجاعی زند نے لکھا ہے:

"سماجی علوم میں دین کو اس کے عملی اور معاشرتی اثرات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے، اور یہ تعبیر اس کے حقیقی یا الٰہی جوہر سے مختلف ہو سکتی ہے۔"[6]

اسی بنا پر مختلف مکاتبِ فکر نے دین کی گوناگوں تعریفیں پیش کی ہیں۔ ان تمام تعریفوں کو عمومی طور پر دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. باطنی تعریفیں

یہ وہ تعریفیں ہیں جو دین کی اصل، اس کے باطنی اور ماورائی جوہر کو بیان کرتی ہیں۔ ان میں دین کو ایک الٰہی ہدایت، عالم غیب سے تعلق، اور انسانی زندگی میں مقصد و معنویت دینے والے نظام کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ان تعریفوں کی بنیاد الہامی متون، دینی فلسفہ، اور عرفان پر ہوتی ہے۔

2. عملی اور سماجی تعریفیں

ان تعریفوں میں دین کو ایک سماجی مظہر، ایک نظامِ اقدار، اور افراد و گروہوں کے تعلقات و شناخت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ان تعریفوں میں دین کے خارجی اثرات، رسوم، عبادات، اور دینی اداروں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔[7] علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ دین کی ماہیت کو صرف ایک سماجی مظہر کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ ان کے نزدیک دین ایک الٰہی نظامِ ہدایت ہے جو وحی کے ذریعے انسانوں کی فطری ہدایت کو تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ ان کے مطابق دین کی

بنیاد "توحید" پر ہے، اور یہ انسانی عقل و فطرت سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ تفسیر المیزان میں وہ لکھتے ہیں:

"الدين هو السنّة الإلهية التي شرّعها الله لعباده لهدايتهم إلى سعادتهم في الدنيا و الآخرة۔"[8]

ترجمہ: "دین وہ الٰہی سنت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا تاکہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت تک پہنچ سکیں۔"

یہ تعریف دین کو ایک الٰہی منصوبہ (Divine Plan) کے طور پر بیان کرتی ہے، جس کا مقصد انسان کو اس کی فطری اور عقلی استعدادات کے مطابق اعلیٰ مقاصد تک پہنچانا ہے۔ اس میں دین نہ صرف عبادات و عقائد پر مشتمل ہے، بلکہ انسان کی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی اور روحانی زندگی کو بھی شامل کرتا ہے۔

دین کا سرچشمہ

دین کے سرچشمہ (Origin) سے متعلق سوال، دینیات، فلسفۂ دین، اور سوشیالوجی میں بنیادی مباحث میں سے ہے۔ یہ سوال کہ دین کہاں سے آیا، کیا اس کی بنیاد انسان کی داخلی فطرت ہے یا کسی خارجی، فوق الطبیعی منبع سے مربوط ہے، صدیوں سے فلسفیوں، مفسرین اور مفکرین کے درمیان زیرِ بحث رہا ہے۔ تجربیت پسند مکاتب فکر اور جدید سوشیالوجی میں بالعموم اس سوال کو ایک تجربی و تاریخی مسئلے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ جدید مغربی فلسفہ، خصوصاً پوزیٹوسٹ (اثباتی) مکتبِ فکر، نے دینی مفاہیم کے تجزیے میں ایک ایسی روش اپنائی ہے جس کی بنیاد صرف حسی اور تجربی ادراک پر رکھی گئی ہے۔

اس زاویۂ فکر کے مطابق کوئی بھی حقیقت — جب تک وہ مشاہدے یا تجربے کی گرفت میں نہ آسکے — معتبر نہیں۔ نتیجتاً، ماورائے طبیعت (Metaphysical) امور جیسے وحی، ملائکہ، الہام، یا روحانی تجربات کو غیر سائنسی اور ناقابلِ اثبات قرار دیا گیا۔ اس رجحان کے حامل مفکرین میں آگست کومٹ، ایمل دورکیم، اور سیگمنڈ فرائڈ جیسے افراد شامل ہیں۔

دین کے ماخذ اور سرچشمہ کے بارے میں دینداروں اور بالخصوص توحیدی ادیان کے پیروکاروں کا موقف بالکل مختلف ہے۔ ان کے نزدیک دین کا سرچشمہ اُس متعالی اور مقدس ہستی کو قرار دیا جاتا ہے جسے "اللہ تعالیٰ" کے مقدس نام یا اس کے مشابہ دوسرے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ جیسے اسلامی مفکرین اس کو ایک مابعد الطبیعیاتی و فطری نکتۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان دونوں زاویہ ہائے نظر کا تقابل دین کی خاستگاہ کو سمجھنے میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق دین کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ارادہ کوئی جبری قوت

نہیں، بلکہ یہ اللہ کی حکمت، علم اور رحمت کا مظہر ہے۔ دین کی بنیاد دراصل اسی الٰہی ارادے پر ہے جو وحی، شریعت اور احکام کی صورت میں انسانوں تک منتقل ہوتا ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جہاں سے دین کا مابعد الطبیعیاتی پہلو شروع ہوتا ہے۔ دراصل، مسلمان مفکرین کے مطابق، اللہ تعالی کا ارادہ کسی خارجی اثر کا تابع نہیں ہے۔ اس لیے دین بھی اپنی ماہیت میں کسی خارجی یا زمینی عنصر سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ نظریہ اُن تمام مادیاتی اور سوشیولوجیکل مکاتبِ فکر کی نفی کرتا ہے جو دین کو محض انسانی تخلیق یا تاریخ کا پیدا کردہ سمجھتے ہیں۔

دین کے منشاء و ماخذ کے حوالے سے علامہ طباطبائیؒ تجربیت پسند رجحانات کو علمی و وجودی لحاظ سے ناقص قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ مکاتب فکر دنیا کی تفسیر کو صرف مادی اصولوں کے تحت محدود کرتے ہیں، اور اس روش کے نتیجے میں عالمِ وجود کو صرف محسوسات و مادّیات کی سطح تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"یہ طرزِ فکر ہر غیر محسوس و غیر مادی حقیقت کا منکر ہو جاتا ہے، اور جب دین جیسے غیر مادی مظاہر سے روبرو ہوتا ہے تو اس کے پاس صرف مادی و نفسیاتی تعبیرات باقی رہ جاتی ہیں۔"[9]

اس نقطۂ نظر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تجربی سوشیالوجی دین کی ماہیت کو نہ صرف ناقص طور پر بیان کرتی ہے، بلکہ اس کے ماخذ کو بھی مسخ کر دیتی ہے۔ لہٰذا علامہ طباطبائیؒ اس مکتبِ فکر کو محدود اور سطحی تصور قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ انسانی وجود کے اس پہلو کو نظر انداز کرتا ہے جو فطرتاً ماورائی و قدسی تجربے کا متقاضی ہے۔

دین کی پیدائش میں انسانی فطرت اور عقل کا کردار

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، دین کا ایک ماخذ اس معنی میں ضرور انسانی، سماجی ہے کہ انسان کو اللہ تعالی نے ایک مخصوص "فطرت" اور "عقل" کی طاقت سے نوازا ہے۔ لہٰذا علامہ کے مطابق، دین کا سرچشمہ، انسانی "فطرت" اور انسانی "عقل" ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ خداوند تعالی کی ہستی کو دین نازل کرنے والا نہ مانتے ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔

لہٰذا آپ اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دین بنی نوع بشر پر اس کے وجود سے باہر کہیں سے کوئی مسلط کردہ نظام نہیں، بلکہ یہ انسان کی فطری طلبِ ہدایت کا الٰہی جواب ہے۔ دراصل، علامہ طباطبائی کے اس موقف کی دلیل خود قرآن مجید کی یہ آیت ہے جس میں ارشاد ہوا:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (30:30)

ترجمہ: "پس آپ اپنا رخ اللہ کی اطاعت کے لئے کامل یک سُوئی کے ساتھ قائم رکھیں۔ اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔"

علامہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ دین کا منبع انسانی فطرت ہے، اور انسان فطری طور پر ایک ماورائی حقیقت کی جستجو کرتا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک دین محض چند نظریاتی عقائد یا اخلاقی تعلیمات پر مشتمل نہیں، بلکہ وہ ایک ایسا جامع نظامِ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہوتا ہے۔ ان کے مطابق دین کی حقیقت علم، معرفت، اقدار، اخلاق، اور سماجی ضوابط کا ایک مربوط مجموعہ ہے۔ یعنی دین ایک زندہ، متحرک اور عملی حقیقت ہے جو انسان کے انفرادی شعور سے لے کر اجتماعی نظم تک اپنا اثر مرتب کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "دین، انسانی فطرت کی گہرائیوں سے پھوٹنے والی وہ حقیقت ہے جو انسان کو نہ صرف اپنے خالق سے مربوط کرتی ہے بلکہ اس کی تمام تر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایک الٰہی اصول کے تابع بناتی ہے۔"[10]

اس بنیاد پر علامہ طباطبائی دین کو صرف "بیانیہ حقیقت" نہیں مانتے، یعنی وہ محض ایک تصوراتی یا فلسفیانہ نظام نہیں، بلکہ وہ اسے ایک "وجودی حقیقت (Ontological Reality) "کے طور پر دیکھتے ہیں جو انسانی فطرت، عقل، اور الٰہی وحی کے باہمی تعامل سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، دین کا اصلی ماخذ انسانی فطرت ہے، لیکن یہ فطرت بذاتِ خود الٰہی ساخت کا مظہر ہے۔ دوسرے الفاظ میں، "خالص دین" وہ ہے جو انسان کی خداداد فطرت میں پیوست ہے، اور جسے وحی کی صورت میں مکمل وضاحت اور رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ اس تصور کی رو سے دین نہ کسی تاریخی حادثے کا نتیجہ ہے، نہ سماجی ضرورتوں کی پیداوار؛ بلکہ یہ ایک وجودی حقیقت ہے جو انسان کی فطرت اور الٰہی ارادے کا جوڑ ہے۔

> "فطرتِ انسانی اگر بیدار اور سلیم ہو تو وہ دینِ خالص سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ وقت کے گزرنے یا حالات کے بدلنے سے فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، البتہ اس کے ظہور اور شعور میں شدت یا ضعف واقع ہو سکتا ہے[11]"

وحی: دین کی عملی صورت

دین کے سرچشمہ کے بارے میں مخصوص موقف رکھنے کی وجہ سے مغربی مفکرین کے نزدیک "وحی" بھی درحقیقت کوئی ماورائی یا خارجی حقیقت نہیں، بلکہ وہ ایک نفسیاتی یا ذہنی کیفیت ہے جو ایک مخصوص حد تک نبوغ (Genius) رکھنے والے افراد، جیسے انبیاء، میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ انبیاء کی تعلیمات کو الٰہی نہیں بلکہ خالص انسانی شعور و احساس کی پیداوار سمجھتے ہیں۔

وحی کے بارے میں بھی مسلمان مفکرین، منجملہ علامہ طباطبائی کا موقف بالکل برعکس ہے۔ آپ کے مطابق،

وحی، دین کا وہ مرکزی ستون ہے جس کے ذریعے الٰہی ارادہ انسانی سطح پر منتقل ہوتا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ وحی کو ایک باطنی اور ماورائی شعور کی خاص قسم قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وحی نہ تو عقلی استدلال پر مبنی ہے، نہ ہی حسی تجربہ، بلکہ یہ ایک مخصوص نوع کا دینی شعور ہے جس کا ادراک صرف نبی کے قلبی تجربے کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ تفسیر المیزان میں لکھتے ہیں:

"وحی ایک ایسی کیفیت ہے جو نبی کے باطن میں الٰہی منبع سے القاء ہوتی ہے، اور یہ کیفیت عقل یا حواس سے بالکل مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔"[12]

یہی وجہ ہے کہ وحی نہ صرف معارفِ الٰہیہ کی حامل ہوتی ہے بلکہ وہ طرزِ حیات کی تشکیل کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ انبیاء اس وحی کو مکمل امانت کے ساتھ انسانوں تک پہنچاتے ہیں، اور اس عمل میں ان کی معصومیت اور صداقت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

دینی علامت

علامت سے مراد وہ نشانی یا چیز ہے جو کسی دوسرے مفہوم یا حقیقت کو ظاہر کرتی ہو۔ سماجی علوم میں علامت پر اس لیے گفتگو کی جاتی ہے کہ علامت میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مشترکہ جذبات، خیالات، معلومات اور احساسات کو منتقل کرے۔ اسی وجہ سے علامت سماجی اتحاد اور معاشرتی عہد و پیماں میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔[13]

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، دین کی اصل حقیقت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کائنات میں اپنی نشانیاں رکھتی ہے۔ ان نشانیوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک وہ جو اللہ کی تخلیقی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں اور دوسری وہ جو اس کی شریعت سے متعلق مرضی کے مطابق ہیں۔

جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے، چونکہ وہ اس کی تخلیق کی علامت ہے، وہ اللہ کی قدرت اور علم کی دلیل ہے۔ اس نظریے کے مطابق، ہر موجود چیز جو عدم سے وجود میں آئی، وہ اللہ کی نشانی ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کے نظریے کے مطابق، اگر کوئی معاشرہ وجود رکھتا ہے، چاہے معمولی ہی کیوں نہ ہو، تو وہ بھی اللہ کی تخلیقی علامت ہے۔ البتہ دینی علامت کا دائرہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔ اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق کچھ چیزوں کو خاص طور پر نشانی اور علامت قرار دیا ہے، جیسے مقدس مقامات: صفا اور مروہ۔ علامہ کے مطابق، ان جگہوں کو اللہ کی علامت بننے کا سبب یہ ہے کہ یہ "اللہ کی عبادت کے مقام" ہیں۔ یقیناً اس موضوع کی اور بھی کئی جہتیں ہیں، جیسے یہ کہ دینی علامتیں توحید کے تصور کی سمت کیسے رہنمائی کرتی ہیں یا یہ کہ وہ سماجی اتحاد میں کیا کردار ادا کرتی ہیں، جن پر ایک الگ تحقیق میں تفصیل سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔[14]

دین میں اختلاف

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر دین فطرت کے عین مطابق ہے تو ادیان میں اتنا اختلاف کیوں؟ علامہ طباطبائیؒ اس سوال کے جواب میں دین کے "تحریفاتی مرحلے" کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے مطابق انبیاء کے بعد بعض افراد، جو بظاہر دین کے حاملین بنے، انہوں نے دین کو اپنی نفسانی خواہشات اور سیاسی مقاصد کا آلہ بنا لیا۔ ان کی تحریفات اور بد نیتیوں کے نتیجے میں دین کی اصل روح کو مسخ کیا گیا اور طبقاتی امتیازات کو فروغ ملا۔

"انبیاء کے بعد بعض مبلغین نے دین کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے اس کی اصل حقیقت سے انحراف کیا، اور دین کو اقتدار، دولت اور طبقاتی فرق کا ذریعہ بنا لیا۔[15]

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں دین اپنی فطری اور الٰہی خالص حالت سے ہٹ کر ایک "تاریخی" یا "سیاسی" پیکر اختیار کر لیتا ہے، جس کے اثرات آج تک مختلف فرقوں، مذاہب، اور مذہبی گروہوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دین اور سماج کا تعلق

علامہ طباطبائیؒ کی فکر میں ایک بنیادی نکتہ یہ بھی ہے کہ دین اور سماج ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کو محض فردی یا شخصی تجربے کا نام نہیں دیتے، بلکہ ان کے نزدیک دین کی فعلیت اور تکمیل سماجی سطح پر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی شریعتی، اخلاقی اور قانونی جہات اس وقت مکمل طور پر متحقق ہوتی ہیں جب وہ ایک منظّم انسانی معاشرے میں نافذ العمل ہوں۔ یہ تصور اُن جدید نظریات سے مختلف ہے جن کے مطابق دین ایک تاریخی اور سماجی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ جدید سوشیالوجی میں عموماً یہ رائے پائی جاتی ہے کہ دین ایک "سماجی مظہر" ہے جو انسانی معاشرتی ضرورتوں کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ مگر علامہ طباطبائی اس نظریے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے مطابق "دین کا سرچشمہ، انسانی معاشرہ یا تاریخ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے، اور چونکہ یہ ارادہ ازلی، ابدی اور ناقابلِ تغیر ہے، اس لیے دین بھی اپنی اصل میں الٰہی اور ماورائے تاریخ حقیقت رکھتا ہے۔"[16]

دین کے سماج میں نفوذ کے حوالے سے علامہ طباطبائی کا موقف یہ ہے کہ دین، درحقیقت، معاشرہ ساز ہے۔ دراصل، جب وحی نبی کے ذریعے معاشرے میں منتقل ہوتی ہے تو سماج سازی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جس میں انسانی فہم، تشریح، اور عمل دخل بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہاں دین ایک طرف تو اپنی اصل ماورائی حیثیت رکھتا ہے، اور دوسری طرف سماجی تعامل کا حصہ بھی بن جاتا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ اس نکتے کو اس طرح واضح کرتے ہیں کہ دین اگرچہ اپنے مبداء میں خالص الٰہی حقیقت ہے، مگر جب یہ انسانی سطح پر نازل ہوتا ہے تو اس کی تفہیم، تعبیر اور اطلاق کا دائرہ انسانی ادراک سے جُڑا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں دینی مطالعہ سماجی علوم کے ذریعے ممکن ہو جاتا ہے۔

دین کا دائرہ کار

جدید سوشیالوجی میں دین کا ایک اور اہم موضوع اس کی "کارکردگی (Function) " ہے۔ یعنی دین سماج میں کس حد تک نظم، اخلاقیات، اور اجتماعی ہم آہنگی کے قیام میں مدد دیتا ہے؟ سوشیالوجسٹ حضرات جیسے دورکیم یا گلدنر نے دین کو ایک سماجی فنکشن کے طور پر دیکھا، اور اس کے اثرات کو معاشرتی ساختوں میں تلاش کیا۔ تاہم علامہ طباطبائیؒ اس رجحان پر تنقید کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ دین کی کارکردگی دین کی اصل حقیقت کا مظہر ضرور ہو سکتی ہے، لیکن اسے دین کی حقیقت کا معیار قرار دینا علمی خطا ہے۔ آپ کے مطابق ایمان، جو دین داری کی اصل بنیاد ہے، ایک باطنی کیفیت ہے، اور یہ کیفیت ہی وہ شئے ہے جو دین کی کارکردگیوں کو جنم دیتی ہے؛ لہٰذا دین کی حقیقت کو صرف اس کی کارکردگیوں پر پرکھنا ایک سطحی تجزیہ ہوگا۔

اس کے باوجود، علامہ اس امر کے قائل ہیں کہ دین کے سماجی اثرات کو تجربی ذرائع سے جانچا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ان اثرات کو دین کی اصل ماہیّت سے الگ رکھا جائے۔ اس فکری توازن کو اپنانا ہی دین کی سوشیالوجی اور فلسفۂ دین میں ایک علمی منصفانہ رویّہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا علامہ طباطبائیؒ کے نزدیک دین کی ایک اہم کارکردگی انسان کی دنیوی و اُخروی زندگی کو منظّم کرنا ہے۔ ان کے مطابق صرف دینِ الٰہی ہی وہ عامل ہے جو انسانی معاشرتی زندگی کو ہر طرح کی خرابی اور فساد سے بچا کر منظّم بنا سکتا ہے۔[17] البتہ، یہ ثمرہ اس وقت حاصل ہو گا جب دین کو عملی طور پر سماجی زندگی میں نافذ کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں، انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کی بہتری دین داری پر موقوف ہے۔

اگرچہ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ دین کا ہدف صرف انسان کی دنیوی زندگی کو نظم دینا اور اس کی سمت متعین کرنا ہے۔[18] مگر علامہ طباطبائیؒ اس نظریے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق دین صرف دنیوی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اُخروی زندگی کو بھی منظّم کرتا ہے۔ اسی لیے دین کا دائرہ حیاتِ دنیا اور حیاتِ اُخروی دونوں پر محیط ہے۔

معاشرتی نظم و نسق میں دین کا کردار

سماجی نظم کے بارے میں تین مختلف تشریحات پیش کی گئی ہیں:

1. پہلی تشریح کے مطابق، نظم کا قیام اور اس کا برقرار رکھنا افراد کے فائدے کے لیے ہوتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق پیچیدہ معاشروں میں نظم کی اہمیت سادہ معاشروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ ان میں افراد ایک دوسرے پر زیادہ انحصار کرتے ہیں، اور اگر نظم نہ ہو تو یہ نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔
2. دوسری تشریح کے مطابق، سماجی نظم کے قیام اور تسلسل میں ان اقدار اور اصولوں کا کردار ہوتا ہے جو افراد

کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔

3. اور تیسری تشریح میں بعض مفکرین کے نزدیک سماجی نظم کی بنیاد طاقت اور اقتدار پر ہے۔[19]

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، دین کی ایک خصوصیت، یا زیادہ درست الفاظ میں کہیں تو دینداری کا ایک نتیجہ، سماجی نظم کا قیام ہے۔ آپ کے نزدیک معاشرے میں قانون کا وجود اجتماعی زندگی کی ضمانت ہے، اور جو چیز افراد کو قانون کی پابندی پر آمادہ کرتی ہے وہ "اخلاق" ہے۔ اس لیے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دین اچھے اخلاق کو عام کرکے معاشرے میں اجتماعی زندگی کو جاری رکھنے میں مدد دیتا ہے۔[20]

اسی طرح جب دین سماجی زندگی کو منظّم کرتا ہے اور انحرافات کا مقابلہ کرتا ہے، تو اس کے نتیجے میں سماجی نظم قائم ہوتا ہے۔ تاہم اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ یہ تصور کہ دین "سماجی حقیقت کے نازک ڈھانچوں کو برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے" صرف جزوی طور پر درست ہے اور دین کی تمام خصوصیات کو ظاہر نہیں کرتا، کیونکہ انبیا کا اصل مقصد انسان کو دائمی نجات کی طرف لے جانا ہے۔ اسی لیے ان کی ایک ذمہ داری ظالموں اور ستمگاروں کا مقابلہ کرنا بھی ہے۔

اس اعتبار سے، دین نہ صرف انسان کی اجتماعی زندگی کو منظّم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ ظالمانہ نظام کو ختم کرنے اور اہل ایمان کو ظلم کے خلاف اٹھنے کی ترغیب دینے کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ دین کے دنیاوی اور سماجی کردار (Function) کے حوالے سے علامہ طباطبائی کے نزدیک دین کے درج ذیل بنیادی سماجی کردار Functions سامنے آتے ہیں:

1. اختلافات کی بنیاد اور "استخدام"

علامہ طباطبائیؒ دنیوی زندگی کے نظم کی بحث میں انسانوں کے درمیان اختلافات کی جڑوں کا تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، جب انسان کسی عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا نفس، جسم اور اس کے اعضا کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے۔[21] چونکہ انسان فطری طور پر اجتماعی زندگی کا خواہاں ہے، اس لیے وہ نہ صرف اپنے جسم، بلکہ دوسروں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس عمل کو علامہ "استخدام" (حصول خدمت) کا نام دیتے ہیں۔ ان کے مطابق: یہ "استخدام" سماجی تعلقات کی بنیاد ہے، جو ابتدا میں محدود ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ پیچیدہ شکل اختیار کرلیتا ہے اور خاندان، قبیلہ، حتیٰ کہ ریاست کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔[22]

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، استخدام انسانی فطرت کے مطابق ہے، اور فطری حالت میں یہ طرفینی (دو طرفہ) ہوتا ہے؛ یعنی ہر انسان دوسرے سے فائدہ لینے کے ساتھ، اسے فائدہ بھی پہنچاتا ہے۔ مثلاً ایک عمارت ساز کو

روٹی پکانا نہیں آتا، وہ نانوا سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اسے رہائش فراہم کرتا ہے۔ یہ باہمی خدمات کا تبادلہ ہے۔

2. استبدادی استخدام اور دینی حل

لیکن جب کوئی فرد اپنی طاقت اور اقتدار کے بل پر دوسروں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرے، اور بدلے میں انہیں کوئی فائدہ نہ دے، تو یہ یک طرفہ استخدام ہوتا ہے، جسے علامہ استبداد (آمریت) کہتے ہیں۔ اس قسم کے استبدادی تعلقات کی بنیاد انسانوں کے درمیان تفاوت اور نابرابری پر ہوتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں علامہ طباطبائیؒ دین کی ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے مطابق دین، انسانوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنے والا نہائی عامل ہے، جو تبشیر (خوشخبری) اور انذار (ڈراوا) کے ذریعے انسانوں کو ظلم سے روکتا اور عدل کی جانب راغب کرتا ہے۔[23] علامہ طباطبائیؒ اس بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ رسول اسلام کی قیادت کی بنیاد ہی طاغوتی حکومت کے خلاف قیام پر رکھی گئی تھی۔[24]

3. اتحاد اور سماجی ہم آہنگی

دین کی ایک اہم خصوصیت انسانوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، علامہ طباطبائیؒ اختلافات کے اسباب اور جڑوں کا تجزیہ کرتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان اختلافات کا واحد حل دینی قوانین کی پیروی میں ہے۔ اختلاف کے خاتمے کا پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی معاشرے کے افراد کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف کا خاتمہ خود بخود سماجی ہم آہنگی کے قیام کا سبب بنتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے یہ اعلان کیا ہے کہ انسانوں کے درمیان زندگی کے مختلف مسائل میں پیدا ہونے والے اختلافات کو سب سے پہلے دینی تعلیمات کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کچھ دوسرے قوانین بھی ان اختلافات کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو وہ بھی درحقیقت دینی تعلیمات کی نقل پر مبنی ہیں۔[25]

4. سماجی نگرانی

دین کی ایک اور اہم خصوصیت سماج پر نگرانی قائم کرنا ہے۔ سماجی نگرانی سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے بُرے اور نقصان دہ رویوں کو روکا جاتا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ کی تحریروں، خاص طور پر تفسیر المیزان سے ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معاشرے میں بُرے رویے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے، اور دین کی ایک بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ان بُرے رویوں کا مقابلہ کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں نظم و ضبط قائم ہوتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق، اللہ کے پیغمبروں کی ایک بڑی ذمہ داری بُرے رویوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہ ذمہ داری اتنی اہم تھی کہ اگر معاشرتی حالات اجازت دیتے، تو جب پیغمبر نرم طریقوں جیسے دعوت اور نصیحت سے مایوس ہو جاتے، تو پھر وہ بُرے لوگوں سے جنگ کے لیے تیار ہو جاتے۔[26]

علامہ طباطبائیؒ نے یہ بھی بتایا ہے کہ معاشرے میں بُرے رویے کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق، بہت سے اخلاق، رسمیں اور روایات ـــ چاہے اچھی ہوں یا بُری ـــ انسانوں کے درمیان نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔ لوگ اپنے بڑوں کی چال ڈھال کو اپناتے ہیں، چاہے وہ درست ہو یا غلط۔ اس لیے اگر دین ان بُری رسموں اور باتوں کا خاتمہ چاہتا ہے تو صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ یہ چیزیں غلط ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ، لوگوں کی اچھی تربیت اور مناسب قبولیت کے ذریعے ان غلط چیزوں کو ختم کرنا بھی ضروری ہے۔[27]

دین کی سماج پر برتری

سماجی علوم میں دین کے حوالے سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ مختلف معاشروں میں دین کی وسعت اور دائرۂ اثر کس قدر ہے۔ دین اور دینداری کو محض ایک سماجی رویہ قرار دینے والوں کے مطابق، دین سماج محور ہے۔ لہٰذا جب ایک سماج، دوسرے سماج سے اپنی سماجیات میں بدلتا ہے تو دین بھی بدل جاتا ہے۔ اگر ہم ایمل دوریکم کے نظریاتی اصولوں کو مدنظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک دین کی وسعت ایک مخصوص معاشرے تک محدود ہے۔ ہر معاشرہ اپنی ایسی مخصوص خصوصیات رکھتا ہے جو اس کے دین اور ثقافت کو صرف اسی کے لیے مخصوص بنا دیتی ہیں۔ دوریکم کے بقول:

> "معاشرہ ایک خود پیدا شدہ حقیقت ہے اور اس کی اپنی مخصوص فطری خصوصیات ہیں جو بعینہٖ دیگر معاشروں میں نہیں ملتیں۔"[28]

اس کے برعکس، جب ہم علامہ طباطبائیؒ کے فکری اصولوں کو دیکھتے ہیں تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا وہ بھی دین کو ہر معاشرے کے لیے مخصوص مانتے ہیں؟ اس کا جواب منفی ہے۔ علامہ طباطبائیؒ دین کو ایک فطری امر سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک دین ایک ثقافت سے دوسری ثقافت میں منتقل ہو سکتا ہے۔ یہ نقطہ نظر دوریکم کے برخلاف ہے جو دین کو صرف اس معاشرے تک محدود سمجھتا ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہو۔ قرآن مجید کی بعض آیات دین کے عالمی پہلو کی وضاحت کرتی ہیں، جیسے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ (96:3)

ترجمہ: "یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت والا۔"

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی، پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ کہہ دے کہ میں تم سے اس (ہدایت) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو تمام جہانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔" (90:6)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (107:21)

یہ آیات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ دین اسلام صرف کسی خاص قوم یا علاقے تک محدود نہیں بلکہ اس کا پیغام پوری انسانیت کے لیے ہے۔

نتیجہ

اب تک بیان کی گئی باتوں کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علامہ طباطبائی کے نزدیک دین کے بارے میں مروجہ سماجی نقطہ نظر سے تحقیقات بانجھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تحقیقات میں دین کے مختلف مراحل کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ دین کی سماجی تفسیریں غلط نتائج پر منتج ہوئی ہیں۔ آپ کے نزدیک دین کے بارے میں سماجی تحقیق کا بنیادی قدم یہ ہے کہ دین کے مختلف مراحل میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے ـــ یعنی اس مرحلے سے جہاں دین، خدا کی ارادۂ تشریعی) یعنی قانون سازی کی ارادہ (سے صادر ہوتا ہے، لے کر اُس مرحلے تک جہاں دین انسانی زندگی اور معاشرتی میدان میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ خدا کی ارادۂ تشریعی نہ تو کسی بیرونی عامل کے زیرِ اثر ہوتی ہے اور نہ کسی دوسرے ارادے سے متاثر، لہٰذا اس ابتدائی مرحلے میں ـــ جو دراصل "حقیقتِ دین" سے متعلق ہے ـــ دین کی سماجیات یا اس پر ماحولیاتی عوامل کے اثر کی بات کرنا بے معنی ہے۔ لیکن دین اپنے بعد کے مراحل میں انسانی معاشرتی زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے، اور اس مرحلے کو "مرحلۂ دینداری" کہا جاسکتا ہے۔

اس مرحلے میں دین کے مختلف سماجی کارکردار (functions) ہوتے ہیں، جیسے کہ: انسانی زندگی کے نظم و نسق کو قائم کرنا، انحرافات کا مقابلہ کرنا، اور معاشرتی یکجہتی (social solidarity) پیدا کرنا۔ مندرجۂ بالا تجزیوں کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب ہم جدید سماجیات کے مفکرین کے نظریات کا موازنہ اسلامی مفکرین کے

نظریات سے کرتے ہیں، تو ہمیں اس بنیادی فرق پر خاص توجہ دینی چاہیے کہ دونوں کے نزدیک "دین "کی ماہیت کا مفہوم مختلف ہے۔ کیونکہ معاصر سماجیات میں دین پر جو بحث کی جاتی ہے، وہ صرف دین کے ظاہری اور خارجی پہلوؤں —یعنی بطورِ "مظہر — (phenomenon) "کو مد نظر رکھتی ہے؛ جبکہ اسلامی مفکرین، باوجود اس کے کہ وہ ان ظاہری پہلوؤں کو تسلیم کرتے ہیں، دین کی حقیقی اور باطنی حقیقت کو ایک ماورائی (transcendent) اور مابعدالطبیعی (metaphysical) دائرے میں تلاش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین کے سماجی کار کردار، حقیقتِ دین کے صرف ایک چھوٹے سے حصّے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

*****

References

1. Joachim Wach, *Jame'a Shanasi-e-Deen*, Tarjuma: Jamshid Azadegan, Chap II, (Tehran, Samt, 1387 SH), 8.

یواخیم واخ، جامعہ شناسیِ دین، ترجمہ: جمشید آزادگان، چاپ دوم، (تہران، سمت، 1387)، 8۔

2. Manouchehr Mohseni, Muqaddamat-e-Jame'a Shanasi, (Tehran: Nashr-e-Doran, 1381), Chap Hejdahum, 164.

منوچہر محسنی، مقدماتِ جامعہ شناسی (تہران : نشر دوران ،) ۱۳۸۱ چاپ ہیجدھم، ص ۱۶۴۔

3. Malcolm Hamilton, *Jame'a Shanasi-e-Deen*, Tarjuma: Mohsen Selasi, Chap II, (Tehran, Moassasa-ye Farhangi Entesharati Tebyan, 1381 SH), 2.

ملکم ہمیلتن، جامعہ شناسیِ دین، ترجمہ: محسن ثلاثی، چاپ دوم، (تہران، مؤسسہ فرہنگی انتشاراتی تبیان، 1381)، 2۔

4. Ghulam Abbas Tavasoli, *Jame'a Shanasi-e-Deeni*, (Tehran, Nashr-e-Sokhan, 1380 SH), 19–20.

غلام عباس، توسلی، جامعہ شناسیِ دینی، (تہران، نشر سخن، 1380)، 19-20۔

5. Julie Scott wa Irene Hall, *Deen wa Jame'a Shanasi*, Tarjuma: Afsaneh Najarian, (Tehran, Nashr-e-Resesh, 1382 SH), 24.

جولی اسکات اور آیرین ہال، دین و جامعہ شناسی، ترجمہ: افسانہ نجاریان، (تہران، نشر رسش، 1382)، 24۔

6. Ali Raza, Shujai Zand, *Jamia Shanasi Deen*, (Tehran, Nasherni, 1387 SH), 7.

علی رضا، شجاعی زند، جامعہ شناسی دین، (تہران، نشرنی، 1387)، 7۔

7. Ibid, 192.

ایضاً، 192۔

8. Muhammad Hussain, Tababa'i, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, Vol. 2, (Qom, Munshorat Jamia tul Madarsin, fi al-Hawazat alalmiyat, 1393 SH), 40.

سید محمد حسین، طبابائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج2، (قم، منشورات جامعۃ المدرسین، فی الحوزۃ العلمیۃ، 1393ق)، 40۔

9. Ibid, Vol. 1, 87.

ایضاً، ج1، 87۔

10. Muhammad Hussain,Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, Vol. 2, (Qom, Munshorat Jamia tul Madarsin, fi al-Hawazat alalmiyat, 1393 SH), 134.

محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج2، (قم، منشورات جامعۃ المدرسین، فی الحوزۃ العلمیۃ، 1393)، 134۔

11. Abdullah, Javadi Amli, *Fatrat Dar Quran*, (Qom, Markaz Antasharat Isra, 1378 SH), 24.

عبداللہ، جوادی آملی، *فطرت در قرآن*، (قم، مرکز انتشارات اسراء، 1378)، 24۔

12. Ibid, Vol. 18, 92

ایضاً، ج18، 92۔

13. Turner Brain, Nicholas Iber Crumby, Stephen Hill, *Farahng Jamia Shanasi*,Tarjamah: Hussain Poya, (Tehran, Chapkhash, 1367 SH), 385.

ٹرنر برائن، نیکلس ایبر کرامبی، اسٹیفن ھیل، *فرھنگ جامعہ شناسی*، ترجمہ: حسین پویا، (تہران، چاپخش، 1367)، 385۔

14. Tababa'i, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, Vol. 1, 385-386.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج1، 385-386۔

15. Tababa'i, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, 110.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، 110۔

16. Ibid.

ایضاً۔

17. Ibid, 112.

ایضاً، 112۔

18. Shujai Zand, *Jamia Shanasi Deen*, 247.

شجاعی زند، *جامعہ شناسی دین*، 247۔

19. Turner Brain, Nicholas Iber Crumby, Stephen Hill, *Farahng Jamia Shanasi*, 354.

ٹرنر برائن، نیکلس ایبر کرامبی، اسٹیفن ھیل، *فرھنگ جامعہ شناسی*، 354۔

20. Tababa'i, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, Vol. 4, 101.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج4، 101

21. Muhammad Hussain, Tababa'i, *Tafsir al-Bayan fi Mawafaqah bin al-Hadees wa al-Quran*, Neshariah Andisha Alama Tabatabaei, Vol. 2, Issue: 3, (2016): 39.

محمد حسین، طباطبائی، *تفسیر البیان فی موافقہ بین الحدیث والقرآن*، نشریہ اندیشہ علامہ طباطبایی، ج2، شمارہ: 3، (2016): 39۔

22. Muhammad Hussain, Tababa'i, Ravabet Ijtemaei Dar Islam, (Qom, Bostan Kitab, 1389 SH), 51.

محمد حسین، طباطبائی، *روابط اجتماعی در اسلام*، (قم، بوستان کتاب، 1389)، 51۔

23. Tababa'i, *Al-Mizan fi Tafsir al-Quran*, 111.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، 111۔

24. Ibid, Vol. 3, 148.

ایضاً، ج3، 148۔

25. Ibid, 122.

ایضاً، 122۔

26. Ibid, 68.

ایضاً، 68۔

27. Ibid, Vol. 1, 417-418.

ایضاً، ج1، 417۔418۔

28. Durkheim, Emile, *Surat Banyani Hayat Deeni*, Tarjamah: Baqir Parham, (Tehran, Nasher Markaz, 1383 SH), 22.

دورکیم، امیل، *صورت بنیانی حیات دینی*، ترجمہ: باقر پرھام، (تہران، نشر مرکز، 1383)، 22۔